Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-1 (January-March 2025)

ISSN: (2311-6552)

Published:
March 18, 2025

Semantic Shifts in Qur'anic Metaphor Translations: A Study of Translators' Intellectual Affiliation

قرآنی استعارات کے تراجم میں معنوی تبدیلی، مترجمین کی فکری وابستگی کے تناظر میں

Dr. Asma Aziz
Assistant Prof. Deptt. of Islamic Studies, GC Women University Faisalabad
Email: Asmaaziz@gcwuf.edu.pk

Ms. Kiran Fatima
M.Phil. Scholar, Dept. of Islamic Studies, GC Women University Faisalabad

Ms. Javeria Naeem
M.Phil. Scholar, Dept. of Islamic Studies, GC Women University Faisalabad

Abstract

The research demonstrates that the translators' cognitive frameworks—comprising their personal beliefs, interpretive paradigms, and ideological leanings—have a significant impact on how metaphors are conveyed. These influences can either enhance the clarity and conceptual understanding of the metaphors or, conversely, restrict their spiritual or rhetorical subtleties, depending on the translator's priorities. The findings underscore the critical importance of recognizing and critically assessing potential biases introduced by translators, advocating for translations that are faithful, balanced, and sensitive to contextual nuances. This comprehensive study explores the semantic and interpretive aspects of Quranic metaphors (istiarah) within a carefully selected set of verses, aiming to understand how the intellectual orientations and ideological predispositions of translators influence the way these metaphors are rendered into different languages.

By referencing classical Tafsir Ibn Abbas, a renowned exegesis, the research conducts a comparative analysis of translations produced by three prominent scholars: Maulana Mazharul Haq, Maulana Shabbir Ahmad Usmani, and Maulana Maududi. The analysis pays close attention to variations in lexical choices, the depth of explanation, and how metaphoric expressions are presented across these translations. The study reveals that each translator's approach is shaped by their unique worldview and interpretive priorities. For instance, Mazharul Haq's translations tend to embody a traditional perspective that is closely anchored in the original text, emphasizing ethical and educational aspects, and striving to preserve the spiritual integrity of the metaphors. In contrast, Shabbir Ahmad Usmani's renderings prioritize doctrinal accuracy and show a deep reverence for the textual tradition, often opting for minimal interpretive elaboration to maintain the purity of the original metaphors. Meanwhile, Maududi's translations are characterized by a

reformist outlook that incorporates socio-political and practical considerations, frequently expanding on the conceptual and functional dimensions of the metaphors to align with contemporary societal concerns.

Moreover, this study highlights the broader implications for translation scholarship, emphasizing the need for standardized approaches to metaphorical interpretation in Quranic translation. It advocates for aligning translator cognition with the original text's semantics to ensure accurate and meaningful renderings. The research also calls for rigorous methodological practices in comparative exegesis, encouraging a careful examination of how ideological and intellectual predispositions shape translation choices. Ultimately, the findings suggest that a nuanced understanding of the translator's role is essential for producing translations that faithfully convey the richness and depth of Quranic metaphors, fostering a more informed and reflective engagement with the sacred text.

Keywords: Qur'anic Metaphors, Semantic Shift, Translation Variations, Intellectual Background, Interpretive Methodology, Meaning Transformation

تمہید:

قرآن مجید میں استعارات کا بہت خاص مقام ہے۔ یہ ایک ایسا اندازِ بیان ہے جو مشکل اور گہرے حقائق کو آسان اور واضح طریقے سے سمجھاتا ہے۔ اس طرح کے الفاظ نہ صرف مطلب کو زیادہ مؤثر بناتے ہیں بلکہ قرآن کی زبان کی خوبصورتی اور اس کے معجزانہ انداز کو بھی ظاہر کرتے ہیں۔ قرآنی استعارات قاری کو سوچنے اور سمجھنے کی دعوت دیتے ہیں اور ایمان، کفر، حق و باطل جیسے اہم موضوعات کو ہر دور کے لوگوں کے لیے قابلِ فہم بناتے ہیں۔ اس کے علاوہ، استعارات دین کی سمجھ کو جمود سے بچاتے ہیں کیونکہ ان کے مختلف مطلب اور تعبیرات ہو سکتی ہیں جو اسلامی فکر کی گہرائی کو ظاہر کرتی ہیں۔ البتہ یہ مختلف تشریحات تبھی قابل قبول ہوتی ہیں جب قرآن کے سیاق و سباق، عربی زبان اور تفسیر کے اصولوں کو دھیان میں رکھا جائے۔ یوں استعارات صرف خوبصورت الفاظ نہیں بلکہ قرآن کی ہدایت اور فکری گہرائی کا اہم ذریعہ ہیں۔

قرآن مجید کے ترجمے میں معنی تبدیل ہونا ایک ناگزیر علمی ضرورت ہے کیونکہ ہر زبان کی اپنی خاص ثقافت اور فکری پس منظر ہوتا ہے۔ عربی زبان کی خوبصورت اور پیچیدہ اسلوب کو دوسری زبانوں میں بالکل ویسے منتقل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ مترجم کو چاہیے کہ اصل مطلب، سیاق اور مقصد کو برقرار رکھتے ہوئے ایسی زبان استعمال کرے جو پڑھنے والے کو سمجھ آئے۔ اس لیے کبھی کبھار لفظی ترجمے کی بجائے معنی کو ترجیح دینا پڑتی ہے۔ لیکن اس معنوی تبدیلی سے کچھ مسائل بھی پیدا ہو سکتے ہیں جیسے استعاراتی معنی کا کچھ حصہ کھونا، مترجم کے اپنے خیالات کا اثر آنا اور اصل قرآن کی خوبصورت زبان کا اثر کم ہونا۔

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-1 (January-March 2025)
ISSN: (2311-6552)
Published:
March 18, 2025

خاص طور پر قرآنی استعارات کے ترجمے میں خطرہ ہوتا ہے کہ ان کے معنی صرف وضاحت میں بدل جائیں اور ان کی گہرائی اور خوبصورتی ختم ہو جائے۔اس لیے قرآن کے ترجمے میں معنی کی تبدیلی کی حدوں کو سمجھنا اور اس کے اثرات کا جائزہ لینا بہت ضروری ہے۔

یہ مقالہ درجِ ذیل مقاصد پر مشتمل ہے: قرآنِ مجید میں بیان کیے گئے استعارات کا مطالعہ،استعارات کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ تین مختلف تراجم کا تقابلی مطالعہ بھی کیا گیا ہے۔اس تحقیق کا مقصد یہ دیکھنا ہے کہ مختلف فکری نقطہ نظر ترجمے کے معنی کو کس طرح متاثر کرتے ہیں اور یہ تبدیلیاں قاری کی سمجھ اور قرآن کے پیغام کی تفہیم پر کیا اثر ڈالتی ہیں۔ مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ترجمے کے دوران معنی میں تبدیلیاں کیوں ہوتی ہیں اور یہ کیوں ضروری ہے کہ مترجم کی علمی و فکری بصیرت کو سمجھا جائے تاکہ استعارات کا درست اور مؤثر ترجمہ کیا جا سکے۔ چونکہ استعارات کے ترجمے میں پیغام اور علامتی تصویر دونوں کو برقرار رکھنا مشکل ہوتا ہے اس لیے یہ تجزیہ ابن عباس کی تفسیر کی روشنی میں کیا گیا ہے۔اس مقالے میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ قرآنِ مجید کے استعارات کے اردو تراجم میں ہونے والی معنوی تبدیلیاں کس حد تک مترجمین کے فکری پس منظر سے متاثر ہوتی ہیں اور یہ تبدیلیاں قاری کے ذہن اور اس کی تفہیم پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہیں۔

یہ تحقیق قرآن پاک کی چ دس آیات کے چار منتخب تراجم کا جائزہ لیتی ہے جن میں استعاراتی تصویریں پائی جاتی ہیں۔اس کے لیے درج ذیل چار تفاسیر سے استفادہ کیا گیا ہے قاضی ثناءاللہ پانی پتی کی تفسیر مظہری، مولانا مودودی کی تفہیم القرآن، مولانا شبیر احمد عثمانی کی تفسیر عثمانی،اور تنویر المقباس من تفسیر ابن عباساس مطالعے میں استعاراتی تصویروں پر مشتمل پندرہ قرآنی آیات کا انتخاب کر کے ان کا تجزیہ کیا گیا ہے۔اگر کسی ترجمے میں کوئی کمزوری یا خامی نظر آئی تو اس پر تفصیل سے بات کی گئی تاکہ اس کی وجوہات سمجھی جا سکیں اور اس بنیاد پر بہتر اور مؤثر ترجمے کی راہ ہموار ہو سکے۔ نتائج سے ظاہر ہوتا ہے کہ مترجم کی علمی اور فکری گہرائی استعاروں کے ترجمے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ معنی کی درستگی، اثر انگیزی اور پیغام کی مکمل منتقلی کے لیے اس کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔

استعارہ کی لغوی واصطلاحی تعریف:

ادھار لینا، عاریتاً لینا، کسی چیز کو اپنی اصل جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ استعمال کرنا۔(2)اسی طرح لسان العرب میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ استعارۃ وہ ہے کہ کوئی شخص کسی لفظ یا چیز کو عاریتاً لے، یعنی اس کے اصل معنی سے ہٹا کر کسی اور معنی کے لیے استعمال کرے۔(3) استعارہ عاریت سے ماخوذ ہے، یعنی لفظ کو اس جگہ (معنی) میں استعمال کرنا جہاں وہ اصل میں نہیں رکھا گیا۔(4)

اصطلاحاًاستعارۃ وہ ہے کہ کسی لفظ کواُس معنی میں استعمال کیا جائے جس کے لیے وہ اصل میں وضع نہیں ہوا، مگر اُس اور اس کے حقیقی معنی کے درمیان مشابہت ہو۔(5) یا پھر مشبہ بہ کے لفظ کو مشبہ پر بطورِ ادعا استعمال کرنا، بغیر اداتِ تشبیہ کے۔(6)

استعارۃ میں متکلم اصل معنی کو چھوڑ کر بطورِ مجاز ایک نیا معنی مراد لیتا ہے، تاکہ کلام میں تصویر، تاثیر، شدت، فصاحت، اور معنوی قوت پیدا ہو جائے۔یعنی استعارۃ "تشبیہ "کا سب سے بلند درجہ ہے، جس میں تشبیہ چھپادی جاتی ہے-(7)استعارہ علمِ بلاغت کا ایک نہایت اہم جز ہے اور اسے وہی مقاصد حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جن کے لیے بلاغت استعمال کی جاتی ہے۔بلاغت سے مراد مؤثر انداز میں بات کرنے یا لکھنے کی صلاحیت ہے جس میں فصیح اور بلیغ الفاظ اور تعبیرات استعمال کی جاتی ہیں۔بلاغت کے مختلف اسالیب ہوتے ہیں جن میں سے ایک اہم ترین اسلوب استعارہ ہے جو تشبیہ ہی کا ایک حصہ ہے۔استعارہ ایک منفرد اسلوب ہے، کیونکہ اس میں معنی کی باریکی، مخصوص خصوصیات اور بعض خاص اعتبارات پائے جاتے ہیں جنہوں نے اسے علمِ بلاغت کے مطالعے میں ایک دلچسپ اور اہم موضوع بنادیا ہے۔

استعارہ اور تشبیہ میں فرق:

بعض اوقات استعارے کو تشبیہ سمجھ لیا جاتا ہے خاص طور پر ایسے مترجمین کے لیے جو استعارے کو تشبیہ میں یا تشبیہ کو استعارے میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ البلاغۃ الواضحۃ الجارم وامین میں ہے کہ استعارہ وہ تشبیہ ہے جس کے دو میں سے ایک رکن کو حذف کر دیا جائے اور مشبہ بہ کا لفظ مشبہ پر استعمال کیا جائے(8)تاہم تشبیہ کی پہچان نسبتاً آسان ہوتی ہے کیونکہ اس میں عام طور پر تشبیہی الفاظ جیسے ''جیسے''، ''کی طرح'' یا ''مشابہ ''استعمال ہوتے ہیں جو استعارے میں موجود نہیں ہوتے۔ تشبیہ عموماً کسی تصویر یا بات کو زیادہ واضح اور مؤثر بنانے کے لیے استعمال کی جاتی ہے مثلاً: ''وہ مرغی کی طرح بزدل ہے، وہ گلاب کی طرح ہے، اور یہ برف کی طرح سفید ہے۔اس بنا پر تشبیہ کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ یہ ایک ادبی اسلوب ہے جس میں دو مختلف چیزوں کا کسی ایک صفت میں موازنہ کیا جاتا ہے، اور اس کے لیے جیسے، کی طرح یا مشابہ جیسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔مثال کے طور پر اس کا دل پتھر کی طرح سخت ہے یا اس کا چہرہ سورج کی طرح ہے۔

قرآنی و تفسیری ادب میں مفاہیم کو سمجھنے میں استعارات کا کردار:

قرآن کی ادبی زبان میں استعارے بہت بنیادی اور اہم کردار ادا کرتے ہیں۔یہ محض خوبصورت الفاظ یا ادبی انداز نہیں ہیں بلکہ قرآن کے پیغام اور ہدایت کو سمجھانے کا ایک مؤثر ذریعہ ہیں۔استعاروں کے ذریعے قرآن ایسی باتیں جو نظر نہیں آتیں یا محسوس نہیں ہوتیں انہیں ایسی صورت میں پیش کرتا ہے کہ ہم

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-1 (January-March 2025)
ISSN: (2311-6552)
Published:
March 18, 2025

انہیں آسانی سے سمجھ سکیں۔ مثلاً، ہدایت اور گمراہی، ایمان اور کفر، حق اور باطل جیسے بڑے اور گہرے موضوعات کو استعارے ہمارے ذہن میں واضح کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ استعارے ہمیں صرف بنیادی بات تک ہی محدود نہیں رکھتے بلکہ سوچنے اور غور کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اس طرح ہمارا اخلاقی اور ایمانی شعور بڑھتا ہے۔ قرآن کے استعارے ہر زمانے کے لوگوں کے لیے اہم ہیں کیونکہ یہ انسانی فطرت اور کائنات کے اصولوں سے جڑے ہوتے ہیں جو ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ اس طرح یہ استعارے دین کی سمجھ کو محدود یا جامد نہیں ہونے دیتے بلکہ نئے خیالات اور نئی تشریحات کی گنجائش پیدا کرتے ہیں۔

قرآنی اور تفسیری ادب میں استعارات کو نظرانداز کرنے کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ترجمہ معنوی گہرائی کھو دیتا ہے۔ اس سے آیت کا بنیادی مقصد محض لفظی سطح پر رہ جاتا ہے۔ درحقیقت، قرآن میں استعارے محض خوبصورت الفاظ کا مجموعہ نہیں ہیں، بلکہ یہ اہم فکری، اخلاقی اور ہدایتی پیغامات کو واضح کرنے کا ایک بنیادی ذریعہ ہیں۔ جب مترجم انہیں لفظی معنی تک محدود کر دیتا ہے تو نہ صرف مفہوم میں تبدیلی آتی ہے، بلکہ آیت کا تعلق اپنے سیاق وسباق سے بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں قرآن کی ادبی خوبی، اس کی اصلاحی قوت اور ہدایت کا پیغام کمزور پڑ جاتا ہے۔ بعض اوقات تو ایسے معنی بھی سامنے آتے ہیں جو اسلامی عقیدے اور سوچ سے میل نہیں کھاتے۔ مختصراً یہ کہ استعاروں کو سمجھے بغیر کیا گیا ترجمہ قرآن کے فکری، بیانی اور جمالیاتی پہلوؤں کو پوری طرح بیان کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ استعارے قرآن میں نہ صرف ادبی خوبی ہیں بلکہ وہ اس کے ہمہ زمانی اور ہدایتی پیغام کو ہر دور کے انسان تک پہنچانے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔

منتخب قرآنی تفاسیر میں استعارات کا ایک تعارفی جائزہ:

مثال نمبر 1: سورۃ النور، آیت 35

اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

مثال نمبر 2: سورۃ الصف، آیت 4

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا

مثال نمبر 3: سورۃ الفتح، آیت 10

وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

مثال نمبر4: سورۃ البقرۃ، آیت 115

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوص

مثال نمبر5: سورۃ البقرۃ، آیت 208

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ

مثال نمب6: سورۃ بنی اسرائیل (الإسراء)، آیت 72

وَمَن كَانَ فِي هَـٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا

مثال نمبر7: سورۃ الفاتحہ، آیت 6

اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ

مثال نمبر8: سورۃ البقرۃ، آیت 7

فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ

مثال نمبر9: سورۃ البقرۃ، آیت 16

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ ---------- ۝

مثال نمبر10: سورۃ الذاریات، آیت 41

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ

مختلف تراجم میں معنوی تبدیلیوں کا تقابلی جائزہ:

1۔ اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس:

خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے اللہ تعالی آسمان اور زمین والوں کو ہدایت دینے والا ہے اور ہدایت منجانب اللہ دو قسم کی ہوتی ہے تعریف اور تبیان یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالی آسمانوں کو ستاروں کے ساتھ اور زمین کو نباتات اور پانی کے ذریعے مزین کرنے والا اور رونق دینے والا ہے یا یہ کہ اللہ تعالی آسمان اور زمین والوں میں سے مسلمانوں کے دلوں کو روشن و منور کرنے والا ہے۔

مولانا مظہر الحق: اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا

مولانا شبیر احمد عثمانی: اللہ روشنی ہے آسمانوں اور زمین کی

مولانا مودودی: اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-1 (January-March 2025)
ISSN: (2311-6552)
Published:
March 18, 2025

استعارہ کا استعمال:

یہاں "نور" کو بطورِ استعارہ اس لیے لیا گیا ہے کہ آیت میں اس سے مراد ظاہری اور حسی روشنی نہیں بلکہ ایک معنوی اور باطنی حقیقت ہے۔ یہ نور دراصل اللہ کی طرف سے عطا کردہ ہدایت، حق، ایمان اور بصیرت کو واضح کرتا ہے جو انسان کے دل اور عقل کو منور کر کے اسے صحیح راستہ دکھاتی ہے۔ جس طرح روشنی اندھیرے میں چیزوں کو نمایاں اور راستے کو واضح کر دیتی ہے اسی طرح یہ نورِ ہدایت جہالت، باطل اور گمراہی کو دور کر کے حقیقت کو واضح کرتا ہے۔

تجزیہ:

اللہ تعالیٰ کے فرمان "اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ" کے ترجمے میں مولانا مظہر الحق اور مولانا مودودی نے "نور" ہی کا لفظ استعمال کیا ہے بالکل قرآن کے اصل لفظ کی طرح اور اس کی کوئی وضاحت نہیں کی۔ اس وجہ سے لفظی طور پر دونوں کا ترجمہ ایک جیسا ہے اور ان کے نظریات یا عقائد کا اس ترجمے پر کوئی خاص اثر نہیں دکھائی دیتا۔ اس کے برعکس مولانا شبیر احمد عثانی نے "نور" کے لیے "روشنی" کا لفظ لکھا ہے جس سے عام پڑھنے والے کے لیے مطلب تھوڑا زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ البتہ وہ بھی اس کی مکمل تشریح نہیں کر، جیسے تفسیر ابن عباس میں "نور" کا مطلب اسلام، ہدایت، یا اللہ کی کتاب بتایا گیا ہے۔ اس موازنے سے پتا چلتا ہے کہ جب ترجمہ صرف لفظی ہوتا ہے تو قاری کی سمجھ پر اثر کم ہوتا ہے لیکن اگر ترجمے میں وضاحت یا تشریح شامل کی جائے تو مطلب زیادہ واضح ہو جاتا ہے اور پڑھنے والے کو بہتر طور پر سمجھ آتی ہے۔

2۔ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا (48:10)

تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس:

جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پھر جو عہد کو توڑے تو عہد توڑنے کا نقصان اسی کو ہے اور جو اس بات کو جس کا اس نے خدا سے عہد کیا ہے پورا کرے تو وہ اسے عنقریب اجر عظیم دے گا

مولانا مظہر الحق: جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ در حقیقت اللہ سے بیعت کرتے رہے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے پھر جو شخص (بیعت کو) توڑے گا تو بیعت توڑنے کا وبال اسی پر پڑے اور جو شخص اس بات کو پورا کرے گا جس کا (بیعت کے وقت) خدا سے عہد کیا تھا تو عنقریب خدا اس کو بڑا اجر دے گا

مولانا شبیر احمد عثانی: تحقیق جو لوگ بیعت کرتے ہیں تجھ سے وہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے اللہ کا ہاتھ کے اوپر ان کے ہاتھ کے پھر جو کوئی قول توڑے سو توڑتا ہے اپنے نقصان کو اور جو کوئی پورا کرے اس چیز کو جس پر اقرار کیا اللہ تو وہ اس کو دے گا بدلہ بہت بڑا

مولانا مودودی: اے نبی بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں دراصل وہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں، ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تھا، جو اس عہد کو توڑے گا اس کی عہد شکنی کا وبال اسی پر ہو گا اور جو اللہ سے کیے ہوئے عہد کی پاسداری کرے گا۔ اللہ بہت جلد اسے بڑا اجر عطا فرمائے گا۔

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-1 (January-March 2025)
ISSN: (2311-6552)
Published:
March 18, 2025

استعارہ کا استعمال:

اس آیت میں "یَدُ اللّٰہِ" کے الفاظ ایک استعارہ ہیں۔ یہاں "ید" حقیقی ہاتھ کے معنی میں نہیں بلکہ اللہ کی قدرت، تائید اور اقتدار کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ استعارہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ حدیبیہ کے دن جو درخت کے نیچے بیعت الرضوان ہوئی صحابہؓ نبی ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے مگر حقیقت میں وہ اللہ سے عہد باندھ رہے تھے اور اس بیعت پر اللہ کی نگرانی اور ضمانت قائم تھی۔

تجزیہ:

ابن عباس کے مطابق اس کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ بیعت دراصل اللہ سے ہوتی ہے۔ مولانا مظہر الحق نے اس جملے کو لفظی معنوں میں لے کر عہد اور ذمہ داری پر زور دیا جو ان کے محتاط اور روایتی خیالات کو ظاہر کرتا ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے بھی لفظی ترجمہ کیا اور استعارے کی وضاحت کم کی تاکہ الفاظ کی حرمت اور عقیدے کی حفاظت ہو۔ اس کے برعکس مولانا مودودی نے استعارے کو آسان اور عملی انداز میں سمجھایا جس سے بیعت کی اجتماعی اور اخلاقی اہمیت واضح ہوئی۔ اس سے ان کی اصلاحی اور معاشرتی سوچ کا پتہ چلتا ہے۔ سادہ الفاظ میں ہر مترجم نے اپنے نقطہ نظر سے آیت کی وضاحت کی ہے۔ کچھ نے لفظی معنی پر زور دیا جبکہ دوسروں نے عملی پہلوؤں کو سامنے رکھا۔

3۔ وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (2:115)

تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس:

اور مشرق اور مغرب سب خدا ہی کا ہے تو جدھر تم رخ کرو ادھر خدا کی ذات ہے بیشک خدا صاحب وسعت اور باخبر ہے۔

مولانا مظہر الحق: اور اللہ ہی کا ہے پوربی اور پچھم تو جدھر تم اپنا منہ کر لوگے ادھر خدا کا چہرہ ہے بیشک اللہ بڑی گنجائش والا ہے خبر دار ہے

مولانا شبیر احمد عثمانی: اور اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب سو جس طرف تم منہ کرو وہاں ہی متوجہ ہے اللہ بیشک اللہ بے انتہا بخشش کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے

مولانا مودودی: مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں تم جدھر بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ کی توجہ ہے اللہ تعالیٰ بڑی وسعت اور علم والا ہے

استعارہ کا استعمال:

"وَجْهُ اللّٰهِ" بطورِ استعارہ استعمال ہوا ہے کیونکہ یہاں چہرہ جسمانی معنی میں نہیں بلکہ اللہ کی ذات اس کی رضا اور توجہ کے معنی میں آیا ہے۔ یہ استعارہ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ یہ واضح کیا جا سکے کہ اللہ کی رحمت اور توجہ کسی خاص سمت تک محدود نہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بندہ جس سمت بھی خلوص کے ساتھ رخ کرے وہیں اسے اللہ کی قربت اور رضا حاصل ہوتی ہے۔

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-1 (January-March 2025)
ISSN: (2311-6552)
Published:
March 18, 2025

تجزیہ:

اس آیت کے ترجمے میں ابن عباسؓ "وجہ اللہ" کو اللہ کی ذات اور اس کی مکمل حکمرانی کے تصور سے واضح کرتے ہیں جس سے پڑھنے والے کے ذہن میں اللہ کی موجودگی اور اختیار کا احساس واضح ہوتا ہے۔ مولانا مظہر الحق نے لفظی ترجمہ کیا اور تشریح نہیں کی جس سے معنی کھلے رہتے ہیں اور قاری اپنے طور پر سمجھ سکتا ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے "اللہ کی توجہ" جیسے الفاظ استعمال کر کے ایک جزوی تصویر دی جس سے اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا احساس تو ہوتا ہے لیکن مکمل تصور واضح نہیں ہوتا۔ مولانا مودودی نے زیادہ واضح الفاظ میں معنی کو صاف کر دیا، جس سے قاری اللہ کی نگرانی اور رہنمائی کو بہتر سمجھ پاتا ہے، اور یہ ابن عباسؓ کی تشریح سے قریب تر ہے۔ اس موازنے سے پتہ چلتا ہے کہ اگر ترجمہ لفظی اور بغیر تشریح کے ہو تو معنی واضح نہیں ہوتے اور اگر تشریح یا الفاظ کو بدل کر واضح کیا جائے تو قاری کا فہم بہتر ہوتا ہے۔ اس سے مترجم کے نقطہ نظر کا اثر بھی ظاہر ہوتا ہے جس سے قاری کی سمجھ پر فرق پڑتا ہے۔

4۔ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ (61:4)

تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس:

جو لوگ خدا کی راہ میں ایسی طور پر پرے جما کر لڑتے ہیں گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں وہ بیشک محبوب مددگار ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ ان کو جہاد فی سبیل اللہ پر ابھارتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے جو میدان جنگ میں سیسہ پلائی عمارت کی طرح ملکر اور جم کر لڑتے ہیں۔

مولانا مظہر الحق: اللہ ان لوگوں کو خاص طور پر پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں

مولانا شبیر احمد عثمانی: اللہ چاہتا ہے ان لوگوں کو جو لڑتے ہیں اس کی راہ میں قطار (صف) باندھ کر گویا وہ دیوار میں سیسہ پلائی ہوئی

مولانا مودودی: اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اس کی راہ میں صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

استعارہ کا استعمال:

اس آیت میں **"بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ"** ایک استعارہ ہے۔ یہاں اہلِ ایمان کی صفوں کو حقیقی عمارت نہیں کہا گیا بلکہ انہیں سیسہ پلائی ہوئی مضبوط دیوار سے تشبیہ دے کر استعارۃً بیان کیا گیا ہے۔ یہ استعارہ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کی باہمی وحدت، مضبوطی، نظم و ضبط اور ناقابلِ شکست یکجہتی کو نہایت مؤثر انداز میں واضح کیا جا سکے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مومن جب اللہ کے دین کے لیے کھڑے ہوں تو وہ اختلاف کے بجائے ایک مضبوط اور منظم جماعت کی صورت اختیار کریں۔

تجزیہ:

اس آیت کے بارے میں ابن عباسؓ کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے جو جہاد میں مضبوطی سے صف بندی کر کے لڑتے ہیں جیسے ایک پکی اینٹوں کی دیوار ہو۔ یہ اتحاد اور طاقت اللہ کو بہت پسند ہے۔ مختلف مترجمین نے اس آیت کا ترجمہ مختلف طریقے سے کیا مولانا مظہر الحق نے لفظی ترجمہ کیا اور تشریح نہیں کی جس سے قاری خود معنی سمجھ سکتا ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے لفظی معنی واضح کیے جس سے تصور زیادہ واضح ہوا۔ مولانا مودودی نے لفظی اور معنوی دونوں پہلوؤں کو واضح کیا جس سے قاری کو ابن عباسؓ کی تفسیر کے قریب ترین سمجھ آئی۔ مترجم کی سوچ اور نقطہ نظر ترجمے پر اثر ڈالتا ہے۔ کچھ لفظی ترجمہ کرتے ہیں کچھ معنی واضح کرتے ہیں، اور کچھ دونوں کو یکجا کر کے قاری کی سمجھ بڑھاتے ہیں۔

5۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ (2:208)

تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس:

مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔ مومنو! پورے طور پر رسول اکرم صلی علی اسلام کے دین میں داخل ہو جاؤ ہفتہ اور اونٹ کے گوشت کی حرمت وغیرہ میں شیطان کی جعل سازی میں مت آؤ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

مولانا مظہر الحق: اے ایمان والو داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے پورے اور نہ چلو شیطان کے قدموں پر بیشک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی: اے ایمان والو داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے پورے اور قدموں پر شیطان کے مت چلو بیشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

مولانا مودودی: اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔ کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے

استعارہ کا استعمال:

اس میں "خُطُوَاتِ الشَّيْطَان" ایک استعارہ ہے۔ یہاں شیطان کے قدموں کو حقیقی چلنے یا جسمانی حرکت کے لیے نہیں لیا گیا بلکہ یہ استعارہ انسان کو گمراہی کی طرف لے جانے والے طریقوں، وسوسے اور فتنہ انگیزیوں کی وضاحت کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اس استعارے کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ جیسے قدم کسی راستے کی طرف لے جاتے ہیں اسی طرح شیطان کے اعمال اور وسوسے انسان کو غلط سمت میں لے جاتے ہیں۔ یہ استعارہ کلام کو مؤثر بناتا ہے کیونکہ ایک تصویری اور محسوس کرنے لائق مثال کے ذریعے گمراہی کی شدت اور حقیقت کو ذہن میں واضح کر دیتا ہے

تجزیہ:

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت میں مسلمانوں کو یہ ہدایت دی کہ وہ اسلام میں پوری طرح داخل ہو جائیں اور شیطان کی پیروی نہ کریں۔ اِس سے دین میں مکمل اطاعت اور شیطان کے بہکاوے سے بچنے کا تصور واضح ہوتا ہے۔ مظہر الحق اور شبیر احمد عثمانی نے اپنے ترجموں میں "شیطان کے قدموں پر نہ

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-1 (January-March 2025)
ISSN: (2311-6552)
Published:
March 18, 2025

چلو" جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔اُن کے ترجمے تقریباً ایک جیسے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ روایتی اور نص پر مبنی فکر رکھتے ہیں۔اُنہوں نے استعارے کو لفظی طور پر تو برقرار رکھا لیکن اصل مفہوم (یعنی شیطانی وسوسوں سے بچنا اور دین میں پوری طرح داخل ہونا) مکمل طور پر واضح نہیں ہو سکا۔دوسری طرف سید ابوالاعلیٰ مودودی نے "شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو" جیسی عبارت استعمال کی جس سے استعارے کا مطلب زیادہ واضح اور عملی ہو گیا۔ یہ اُن کی فکر کی اصلاحی اور عملی نوعیت کو ظاہر کرتا ہے اور قاری کے ذہن میں دین میں مکمل شمولیت اور شیطانی اثرات سے بچنے کا تصور مضبوط ہوتا ہے۔اس آیت کے ترجمے میں مظہر الحق اور عثمانی نے استعارے کے مفہوم کو کچھ محدود رکھا جبکہ مودودی نے اِسے زیادہ واضح اور مکمل طریقے سے پیش کیا۔اِس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مترجم کی فکری وابستگی ترجمے کے معنی اور قاری کی سمجھ پر اثرانداز ہوتی ہے۔

6۔ وَمَن كَانَ فِي هَـٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا (17:72)

تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس:

اور جو شخص اس (دنیا) میں اندھا ہو وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا اور نجات کے راستے سے بہت دور۔یعنی جو شخص دنیا میں ان نعمتوں کے شکر کی بجاآوری سے اندھا رہے گا وہ جنت کی نعمتوں سے بھی اندھا رہے گا اور زیادہ گمراہ ہو گا یا یہ کہ جو شخص اس دنیا میں راہ نجات اور حجت وبیان کے دیکھنے سے اندھا رہے گا اور زیادہ گمراہ ہو گا۔

مولانا مظہر الحق :اور جو شخص اس (دنیا) میں اندھا رہے گا وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا اور بہت زیادہ گمراہ

مولانا شبیر احمد عثمانی: اور جو کوئی رہا اس جہان میں اندھا سو وہ پچھلے جہان میں بھی اندھا ہے اور بہت دور پڑا ہوا راہ سے

مولانا مودودی : ''اور جو دنیا میں حق کے بارے اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا اور راستہ سے بھٹکا ہوا ہو گا۔''

استعارہ کا استعمال:

یہاں "عَمِيٌّ" کو استعارہ کے طور پر دل و عقل کی بصیرت کی کمی کے لیے استعمال کیا گیا ہے اسی کا تعلق دنیا اور آخرت دونوں سے ہے۔اگر انسان دنیا میں اللہ کی ہدایت کو نہیں پہچانتا اور حق و باطل میں فرق کرنے کی بصیرت سے محروم ہے تو یہ حالت آخرت میں بھی برقرار رہے گی۔یعنی دنیا میں اندھے دل والے آخرت میں بھی رہنمائی اور حق کی بصیرت سے محروم رہیں گے۔اس استعارے کا مقصد صرف دنیاوی بصیرت یا علم کی کمی ظاہر کرنا نہیں بلکہ یہ باطنی اور اخلاقی اندھیرے کو اجاگر کرتا ہے تاکہ انسان کو اپنے دل اور عقل کو ہدایت سے منور کرنے کی ترغیب ملے۔

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-1 (January-March 2025)
ISSN: (2311-6552)
Published:
March 18, 2025

تجزیہ:

ابن عباسؓ کے مطابق "عُمْيٌ" کا مطلب صرف جسمانی اندھا پن نہیں بلکہ دل اور عقل کی بینائی سے محرومی ہے جس کی وجہ سے انسان دنیا اور آخرت میں گمراہ ہو جاتا ہے۔ مظہر الحق اور مولانا شبیر احمد عثمانی کے ترجموں میں لفظی معنی زیادہ ہیں اس لیے اخلاقی اور باطنی مفہوم پوری طرح واضح نہیں ہو پاتا۔ البتہ عثمانی صاحب نے گمراہی کی شدت کو تھوڑا واضح کیا ہے۔ مولانا مودودی نے اس لفظ کو اصلاحی انداز میں بیان کیا ہے جس سے اندھے پن کا حقیقی مطلب یعنی حق کو نہ پہچاننا اور گمراہی زیادہ واضح ہوتی ہے۔ اس لیے ان کا ترجمہ ابن عباسؓ کی تشریح کے زیادہ قریب ہے۔

7۔ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ(1:6)

تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس :

قائم رہنے والے دین اسلام کی طرف ہماری رہنمائی فرما ایسی رہنمائی جس سے تو خوش ہو اور ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ ہمیں اس دین پر ثابت قدم رکھ اور کتاب اللہ کے ساتھ بھی اس کی تفسیر کی گئی ہے یعنی اس قرآن کے حلال و حرام اور اسکے مفہوم سمجھنے کی توفیق عطا فرما۔

مولانا مظہر الحق :خداوندا ہمیں سیدھی راہ دکھا

مولانا شبیر احمد عثمانی :بتلا ہم کو راہ سیدھی

مولانا مودودی : ہمیں سیدھے راستے کی راہنمائی فرما

استعارہ کا استعمال:

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ "ایک استعارہ کے طور پر استعمال ہوا ہے جو مادی راستے کے بجائے ہدایت، حق، دین، ایمان، عبادات اور نیکی کے تمام پہلوؤں کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس استعارے کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ بندہ اللہ سے دعا کرے کہ اسے سیدھا اور درست راستہ عطا کرے جو زندگی کے ہر پہلو میں اسے اللہ کی رضا، نیکی اور آخرت کی کامیابی تک لے جائے۔ یوں یہ استعارہ روحانی، اخلاقی اور دینی رہنمائی کے جامع تصور کو مؤثر انداز میں پیش کرتا ہے۔

تجزیہ:

ابن عباسؓ کے مطابق "صراط مستقیم" ایک علامت ہے جو ہدایت، دین، ایمان، عبادات اور نیکی کے تمام کاموں کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان اللہ سے دعا کرے کہ اسے زندگی کے ہر معاملے میں سیدھا اور صحیح راستہ دے جو آخرت میں کامیابی تک پہنچائے۔ مظہر الحق اور شبیر احمد عثمانی کے ترجمے لفظی اور تقریباً ایک جیسے ہیں، جیسے "خدایا ہمیں سیدھا راستہ دکھا"۔ یہ ترجمے بنیادی معنی تو بتاتے ہیں لیکن علامت کے عملی اور رہنمائی والے پہلوؤں کو پوری طرح نہیں سمجھا پاتے۔ مودودی کا ترجمہ "ہمیں سیدھے راستے کی راہنمائی فرما" زیادہ واضح ہے۔ اس میں علامت کا مفہوم بہتر طور پر

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-1 (January-March 2025)
ISSN: (2311-6552)
Published:
March 18, 2025

سامنے آتا ہے اور یہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ انسان کو دین پر قائم رہنا چاہیے اور زندگی میں صحیح راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ اس طرح مودودی کا ترجمہ علامت کے اصل مطلب کو سب سے بہتر طریقے سے ظاہر کرتا ہے جبکہ دوسرے دو مترجمین کے ترجمے لفظی اور محدود ہیں۔

8- فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ (2:10)

تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس:

ان کے دلوں میں (کفر کا) مرض تھا خدا نے انکا مرض اور زیادہ کر دیا اور ان کے جھوٹ بولنے کے سبب ان کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا. ن کے دلوں میں شک، نفاق، نافرمانی اور اندھیرا ہے رب تعالیٰ ان کے شک نفاق نافرمانی اور اندھیرے میں اضافہ فرماتا ہے اور ان لوگوں کو آخرت میں ایسا تکلیف دہ عذاب ہوگا جس کی تکلیف ان کے دلوں میں ہوگی کیوں کہ وہ پوشیدہ اور خفیہ طریقہ پر اللہ کو جھٹلاتے تھے اور یہ منافقین یعنی عبداللہ بن ابی، جدی بن قیس اور معتب بن قشیر ہیں۔

مولانا مظہر الحق :ان کے دلوں میں یہ پہلے ہی کفر کا مرض تھا تو اب خدا نے ان کے ان اغراض خبیثہ کو زنگ اور ختم سے تقویت دے کر ان کا مرض اور بھی زیادہ کر دیا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے پہلی تقدیر پر معنی یہ ہوں گے کہ منافق اپنے دعوئ اُمنا میں جھوٹے ہیں اور دوسری توجیہ پر یہ مطلب ہوگا کہ منافقوں کو جناب نبی کریم ﷺ کی درپردہ تکذیب پر عذاب درد ناک ہوگا۔

مولانا شبیر احمد عثمانی: ان کے دلوں میں بیماری ہے پھر بڑھادی اللہ نے ان کی بیماری اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے اس بات پر کہ جھوٹ کہتے تھے

مولانا مودودی : ان کے دلوں میں بیماری ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں بیماری میں زیادہ کر دیا اور انہیں دردناک عذاب ہوگا کیونکہ وہ جھوٹ بولتے تھے

استعارہ کا استعمال:

یہاں مرض ایک استعارہ ہے اور یہ شک، نفاق، کشمکش، اندھیرا اور دیگر کئی برے خصائص کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہاں مرض کو حقیقی بیماری کے معنی میں نہیں لیا گیا بلکہ یہ دلوں میں شک، نفاق، گمراہی اور روحانی اندھیرا کی نمائندگی کرتا ہے۔۔ یہ استعارہ اس لیے استعمال ہوا ہے تاکہ باطنی خرابی، شک اور نفاق کی شدت کو انسانی ذہن کے لیے محسوس کرنے کے قابل بنایا جاسکے اور یہ واضح ہو کہ یہ صرف ظاہری نہیں بلکہ دل و عقل کی گہری بیماری ہے۔

تجزیہ:

اس آیت میں لفظ "مرض" دل میں شک، منافقت، گمراہی اور اندھیرے کی علامت ہے۔ ابن عباس نے اس لفظ سے دل کی اندرونی خرابی اور منافقانہ رویوں کی وضاحت کی جس سے اس کا روحانی پہلو واضح ہوتا ہے۔ مظہر الحق نے دل کی بیماری کو منافقوں کے برے ارادوں اور چھپانے کی عادت سے جوڑ کر اسے عملی انداز میں بیان کیا۔ شبیر احمد عثمانی نے زیادہ تر لفظی معنی پر توجہ دی جس سے استعارے کی گہرائی کچھ کم ہوگئی۔ مودودی نے اس بیماری کے اثر اور

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-1 (January-March 2025)
ISSN: (2311-6552)
Published:
March 18, 2025

نتائج کو آسان اور واضح الفاظ میں بیان کیا اور قرآن کے پیغام کو روزمرہ زندگی سے جوڑا۔ مجموعی طور پر مظہر الحق اور مودودی نے استعارے کے اصل مفہوم کو بہتر طور پر برقرار رکھا جبکہ عثمانی کی تشریح کچھ محدود رہی، اور یہ فرق ابن عباس کی وضاحت کے مقابلے میں واضح ہے۔

9۔ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ .... (2:74)

تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس:

پھر اسکے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے گویا وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت اور پتھر تو بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں اور بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں اور ان میں سے پانی نکلنے لگتا ہے اور بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ خدا کے خوف سے گر پڑتے ہیں اور خدا تمہارے عملوں سے بیخبر نہیں۔ اے نبی یا اسلام کیا آپ اس بات کی امید لگا کر بیٹھے ہیں کہ یہ یہودی آپ صلی علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے، ان کی تو حالت یہ ہے کہ ستر آدمیوں کی جماعت جو موسیٰ کے ساتھ تھی اور وہ حضرت موسیٰ کے کلام الٰہی پڑھنے کو سن بھی رہے تھے مگر اس کے جاننے اور سمجھنے کے بعد یہ سمجھتے ہوئے کہ ہم اللہ تعالی کے کلام کو بدل رہے ہیں اس کے باوجود اس کلام میں تبدیلی اور تحریف کر ڈالی۔

مولانا مظہر الحق: پھر سخت ہو گئے تمہارے دل

مولانا شبیر احمد عثمانی: پھر تمہارے دل سخت ہو گئے اس سب کے بعد

مولانا مودودی: پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے

استعارہ کا استعمال:

یہاں دل کو استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے کیونکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ دل کو جسمانی عضو کے طور پر سخت نہیں کرتا بلکہ یہ روحانی سختی، نافرمانی، حق کی سمجھ سے محرومی اور سخت عقیدہ کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ استعارہ اس لیے استعمال ہوا ہے کہ انسان کو یہ واضح کیا جا سکے کہ ایمان نہ لانے، نافرمانی اور کفر اختیار کرنے کی صورت میں دل ہدایت اور رحمت کے لیے غیر حساس اور سخت ہو جاتا ہے اور اس کی روحانی بصیرت متاثر ہوتی ہے۔

تجزیہ:

ابن عباسؓ کی تفسیر اس استعارہ کو پوری آیت کے سیاق و سباق سے جوڑ کر بیان کرتی ہے اور وضاحت کرتی ہیں کہ اللہ کی نشانیاں دیکھنے اور اس کا کلام سننے کے باوجود بعض لوگوں کے دلوں کا سخت ہونا در اصل اُن کے اپنے ارادے سے حق کو رد کرنے اور اسے بدل دینے کا نتیجہ ہے۔ اس طرح وہ اس بات کی وجہ اور نتیجہ دونوں کو واضح کرتے ہیں۔ دوسری طرف تینوں مترجمین کا ترجمہ بہت مختصر اور لفظی ہے وہ صرف "دل سخت ہو گئے" کہہ کر بنیادی مطلب بیان کرتے ہیں، لیکن اس کی وجہ، شدت یا اخلاقی پہلو کو نہیں واضح کرتے۔ ابن عباسؓ کے بیان کے مقابلے میں یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان مترجمین کے تراجم

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-1 (January-March 2025)
ISSN: (2311-6552)
Published:
March 18, 2025

میں اس آیت کے فکری پہلو نمایاں نہیں ہیں کیونکہ تینوں کا ترجمہ تقریباً ایک جیسا ہے اور وہ تشبیہ کی اصل معنویت اور گہرائی کو سادہ لفظی ترجمے تک محدود رکھتے ہیں جبکہ ابن عباسؓ کی تفسیر اسے سیاق وسباق اور معنی کی زیادہ گہرائی سے پیش کرتی ہے۔

10- صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ (2:18)

تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس:

(یہ) بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں کہ (کسی طرح سیدھے راستے کی طرف) لوٹ ہی نہیں سکتے۔

مولانا مظہر الحق : وہ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو وہ نہیں لوٹے

مولانا شبیر احمد عثمانی: بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو وہ نہیں لوٹیں گے

مولانا مودودی : بہرے، گونگے، اندھے ہیں پس وہ نہیں پلٹتے

استعارہ کا استعمال:

صَمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ (بہرہ، گونگا، اندھا) یہاں یہ صفات حسی اعضا کے حقیقی معنی میں نہیں بلکہ استعارۃً استعمال ہوئی ہیں تاکہ ان لوگوں کی روحانی حالت واضح ہو سکے جو اللہ کی ہدایت کو نہیں پہچانتے، کلامِ حق سے غافل ہیں اور گمراہی میں مبتلا ہیں۔ صَمٌّ یعنی سننے کی صلاحیت سے محروم، بُکمٌ یعنی حق کی دلیل بیان یا قبول نہیں کر سکتے اور عُمْيٌ یعنی حق و باطل میں تمیز کرنے کی بصیرت نہیں رکھتے۔ یہ استعارہ روحانی اندھیرا، گمراہی اور ہدایت سے محرومی کو مؤثر انداز میں بیان کرتا ہے۔

تجزیہ:

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تشریح کے مطابق قرآن پاک میں بیان کردہ یہ تین صفات (بہرے، گونگے، اندھے) دراصل ایک حتمی نتیجے کی طرف اشارہ کرتی ہیں یعنی ایسے لوگ ہدایت کی طرف واپس نہیں آسکتے۔ باقی تینوں مترجمین کے تراجم کا بنیادی مطلب تقریباً ایک جیسا ہے۔ الفاظ میں معمولی فرق ہونے کے باوجود وہ مرکزی خیال کو محفوظ رکھتے ہیں۔ فرق صرف بیان کے انداز کا ہے نہ کہ معنی یا مفہوم کا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس بات کو زیادہ واضح کیا ہے کہ یہ صفات عارضی نہیں بلکہ ایک مستقل اور انجام تک پہنچانے والی حالت ہیں جبکہ اردو مترجمین نے بغیر تفصیل کے اسی مفہوم کو مختصراً پیش کیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ تینوں ترجمے درست ہیں لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وضاحت نتیجہ خیز پہلو کو زیادہ نمایاں کرتی ہے۔

تحقیق کے نتائج اور علمی اہمیت:

ہماری تحقیق سے پتہ چلا کہ قرآن پاک کی استعارات کے ترجمے پر مترجم کے خیالات اور سوچ کا بہت اثر ہوتا ہے۔ مظہر الحق کی اخلاقی سوچ نے استعارات کو واضح اور نصیحت آمیز انداز میں پیش کیا جس سے ان کا روحانی مطلب آسان اور روزمرہ زندگی سے جُڑا ہوا محسوس ہوا۔ شبیر احمد عثمانی نے الفاظ کے احترام

Research Journal MA'ARIF-E AULIYA

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-1 (January-March 2025)

ISSN: (2311-6552)

Published:
March 18, 2025

اور عقیدتی سوچ کی وجہ سے ترجمہ لفظی کیا جس سے کچھ استعارات کے گہرے مطلب کا کچھ حصہ کم ہو گیا۔ مودودی کی اصلاحی سوچ نے استعارات کے پیغام کو عملی اور سماجی طور پر واضح کیا اور کہیں کہیں مطلب کو بڑھا کر پیش کیا جس سے قرآن کا پیغام زندگی سے زیادہ مربوط لگا۔ یہ تحقیق یہ بھی بتاتی ہے کہ مترجم کی سوچ اور ترجیحات استعارات کے اصلی مطلب پر اثر ڈال سکتی ہیں کبھی وضاحت کم ہو جاتی ہے اور کبھی ترجمہ میں عملی اور اصلاحی رنگ چڑھ جاتا ہے۔

اس تحقیق کے نتائج اس لیے اہم ہیں کہ یہ ہمیں :

1. اچھے ترجمے کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں کہ ترجمہ درست ہو اور روحانی مطلب بھی واضح ہو۔
2. ترجمے پر سوچ کے اثر کو جاننے کا ایک طریقہ دیتے ہیں تاکہ آئندہ تراجم کا بہتر جائزہ لیا جا سکے۔
3. یہ دکھاتے ہیں کہ مترجم کی علمی، اخلاقی اور عملی سوچ قرآن کے پیغام کو کتنا واضح یا محدود کرتی ہے۔

اس طرح یہ تحقیق نہ صرف موجودہ تراجم کو جانچنے میں مدد دیتی ہے بلکہ آنے والے وقت میں قرآن کے تراجم میں سوچ کے اثر اور مطلب کی درستگی کو بہتر طریقے سے پرکھنے کا راستہ بھی بناتی ہے۔

سفارشات:

1. معیاری اور درست ترجمے کی ضرورت:

قرآن کے استعارات کا ترجمہ کرتے وقت الفاظ کے ساتھ ساتھ ان کے پیچھے چھپے ہوئے روحانی، اخلاقی اور عملی پیغام کو بھی صحیح طور پر بیان کرنا ضروری ہے۔ اس سے پڑھنے والے قرآن کے مفہوم کو بہتر سمجھ سکیں گے اور اس کے اصل مقصد سے دور نہیں ہوں گے۔

2۔ فکری وابستگی کے اثرات کو مدنظر رکھتے ہوئے ترجمے کی رہنمائی:

مترجم کے اپنے خیالات جیسے کہ سیاسی، اخلاقی یا سماجی نظریات ترجمے پر اثرانداز ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ غیر جانبدار رہے اور قرآن کے اصل مفہوم کو اپنے ذاتی نقطہ نظر سے نہ بدلے۔ صاف اور متوازن سوچ کے ساتھ کیا گیا ترجمہ ہی معنی کی گہرائی کو صحیح طور پر بیان کر سکتا ہے۔

3۔ آئندہ تحقیق کے لیے تجاویز:

آئندہ تحقیق میں مترجمین کے ذاتی خیالات اور ان کے الفاظ کے انتخاب کے اثرات کا جائزہ لینا چاہیے۔ مختلف تراجم کا موازنہ کرتے ہوئے یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ قرآن کے اصل عربی مفہوم کے کتنے قریب ہیں۔ اس سے ترجمے کی معیاریت اور سمجھنے میں آسانی ہو گی اور محققین کو بہتر رہنمائی مل سکے گی۔

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-1 (January-March 2025)
ISSN: (2311-6552)
Published:
March 18, 2025

حوالہ جات:

1. قرآن مجید
2. ابو ہلال عسکری، الفروق اللغوية، تحقیق: محمد ابراہیم السامرائی، دار العلم للملایین، بیروت، 1997ء، ص284۔
3. ابن منظور، لسان العرب، دار صادر، بیروت، 1994ء، جلد4، صفحہ 312۔
4. الجوهری، الصحاح في اللغة، دار العلم للملايين، بيروت، 1987ء، جلد2، صفحہ 442۔
5. عبد الرحمٰن بن حسن حبنكہ الميدانی، البلاغة العربية: أسسها وعلومها وفنونها، دار القلم، دمشق، 1996ء، ج1، ص152۔
6. سکاکی، مفتاح العلوم، تحقیق: نعیم زرزور، دار الکتب العلمیة، بیروت، 1987ء، ج1، ص298۔
7. احمد ہاشم الضیاف، جواهر البلاغة، دار ابن حزم، بیروت، 2003ء، ص 45۔
8. علی الجارم و مصطفی امین، البلاغة الواضحة، دار المعارف، قاہرہ، 2003ء، صفحہ 72۔
9. قاضی ثناءُاللہ پانی پتیؒ، تفسیرِ مظہری، مترجم پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ، ضیاءُالقرآن پبلیکیشنز، لاہور، دسمبر 2002، پاکستان۔
10. حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، تفسیرِ عثمانی، مترجمِ قرآن: شیخُ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ، دار الاشاعت کراچی، فروری ۲۰۰۷، پاکستان
11. مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور
12. ابوالطاہر محمد بن یعقوب بن محمد، تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، مولانا عابد الرحمن صدیقی، کلام کمپنی، کراچی، 1970